۳۸

سادہ زندگی کے مطالبہ کی غرض

(فرمودہ ۲۵ ؍نومبر ۱۹۳۸ء)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

''گزشتہ جمعہ کے خطبہ میں مَیں نے تحریک جدید کے سال پنجم کے چندے کے حصہ کے متعلق اعلان کیا تھا اور آج میں اُسی کے ساتھ تعلق رکھنے والے ایک اور مطالبہ کی طرف جماعت کو توجہ دلاتا ہوں اور وہ سادہ زندگی کا مطالبہ ہے۔ سادہ زندگی کا مطالبہ اپنے اندر دو شِقیں رکھتا ہے، ایک شق تو اسکی سیاسی مگر سیاسی مذہبی ہے (حکومتوں کے ساتھ تعلق رکھنے والی سیاست نہیں بلکہ مذہب کے ساتھ تعلق رکھنے والی سیاست مراد ہے۔) ہر تحریک جو کی جاتی ہے وہ کسی نہ کسی قانون کے ماتحت ہوتی ہے اور جس قانون کے ماتحت وہ کام کر رہی ہوتی ہے اسے اس کی سیاست کہتے ہیں۔ سیاست کے معنی دراصل ایک مکمل نظام اور ایسے اصول کے ماتحت کسی چیز کو چلانے کے ہیں جو بدلنے والے حالات کا لحاظ رکھتا چلا جائے۔ آج کل لوگوں نے سیاست کے معنی یا تو جھوٹ سمجھ رکھے ہیں یا پھر اس کے معنی حکومت کے سمجھ لئے ہیں اس لئے کئی نادان مخالف ہمارے متعلق بھی یہ کہتے رہتے ہیں کہ دیکھو جی یہ سیاست میں پڑ گئے ہیں حالانکہ دنیا میں کوئی معقول چیز اپنی ذاتی سیاست کے بغیر چل سکتی ہی نہیں۔ کونسا وہ معقول کام ہے جو بغیر کسی خاص انتظام کے چل سکے اور اسی چیز کا نام سیاست ہے۔ حکومتوں کو حکومت کے چلانے کے لئے سیاست کی ضرورت ہوتی ہے، مذاہب کو مذاہب کے چلانے کیلئے، تعلیمی محکموں کو تعلیم کی ترقی کیلئے ایک سیاست کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح ہر محکمہ میں ایک علیحدہ سیاست کی ضرورت

ہوتی ہے اور اس وجہ سے جب حکومت کیلئے سیاست کا لفظ بولا جائے تو اسکے اَور معنی ہونگے، مذہب کیلئے اَور، اور تعلیم کیلئے اَور معنے ہوں گے۔ نادان نادانی یا دشمن دشمنی کی وجہ سے اس کے کوئی اور معنی سمجھ لیتا اور پھر ہم پر اعتراض کرتا ہے لیکن حقیقت یہی ہے کہ ہر نظام ایک سیاست کا محتاج ہوتا ہے اور سیاست کے معنی حکمت کے ہوتے ہیں۔ جو نظام کے پیچھے عمل کر رہی ہوتی ہے اور یہ معنی میں آج نہیں کر رہا بلکہ آج سے سینکڑوں سال پہلے مسلمان علماء نے ایسی کتابیں لکھی ہیں جن میں اس موضوع پر بڑی بڑی بحثیں کی ہیں کہ مذہب میں کس حد تک سیاست کا دخل ہوسکتا ہے اور ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان کتابوں کا مقصد یہ ہے کہ مذہب میں جھوٹ کا استعمال جائز ہے یا یہ کہ حکومت میں مذہب کس طرح دخل دے سکتا ہے بلکہ ان کتابوں میں مضمون صرف فقہ کے بیان ہیں اور فقہی بحثوں کے سوا کچھ نہیں حتّٰی کہ امام ابن قیّم نے بھی جو صوفیاء میں بھی اور فقہاء میں بھی چوٹی کے آدمی سمجھے جاتے ہیں اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں لیکن بحث ان میں صرف اس قدر ہے کہ فقہ کی بنیاد کن حکمتوں پر ہے اور کس طرح تبدیل ہونے والے حالات کے ماتحت فقہ کے احکام میں بھی تبدیلی ہوسکتی ہے۔ ان باتوں پر بحث کر کے ثابت کیا گیا ہے کہ اسلام میں سیاست ضروری ہے کوئی مسئلہ ایسا نہیں جو یکساں ہی چلتا جائے۔ مختلف حالات پیش آمدہ کے ماتحت ان کی نوعیت بھی بدلتی رہتی ہے اور اسی کو سیاست کہتے ہیں۔ نماز کیلئے وضو کا حکم ہے لیکن اگر کوئی بیمار ہو یا پانی میسر نہ آسکے تو تیمّم بھی جائز ہے۔ اور اگر نہ پانی مل سکے اور نہ مٹی (ایسے بھی مواقع آسکتے ہیں) تو وہ تیمّم کے بغیر ہی نماز پڑھ سکتا ہے۔ فرض کرو کوئی شخص قید ہے اور کسی نئی بنی ہوئی کشتی میں سمندر میں اسے لے جایا جا رہا ہے تو اسے پانی نہیں مل سکتا کیونکہ بڑی کشتیاں بہت اونچی ہوتی ہیں اور ان میں بیٹھ کر سمندر میں وضو نہیں کیا جاسکتا اور مٹی بھی نہیں مل سکتی تو اسے نماز معاف تو نہیں ہوسکتی اس کیلئے یہی حکم ہے کہ وہ بغیر وضو اور بغیر تیمّم کے ہی نماز پڑھ لے۔ یا کسی کے ہاتھ پاؤں جکڑے ہوئے ہوں۔ یوں تو پانی بھی موجود ہو اور مٹی بھی مگر وہ نہ وضو کرسکے نہ تیمّم تو وہ بغیر اس کے بلکہ سجدہ اور رکوع کے بغیر بھی نماز ادا کرسکتا ہے اور دل ہی دل میں نماز ادا کرسکتا ہے۔ تو یہ احکام حالات کے ماتحت متغیر ہوتے رہتے ہیں۔ پھر بعض اوقات بعض احکام میں لوگ خرابی پیدا کر دیتے ہیں اور

اس وقت حاکم یا قاضی کیلئے ضروری ہوتا ہے کہ دخل دے کر اس خرابی کو دور کرے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طلاقیں الگ الگ وقتوں میں دیئے جانے کی شرط رکھی ہے مگر آپ کی زندگی کے بعد جب لوگوں میں یہ رواج بکثرت ہونے لگا کہ بیوی پر ناراض ہوئے اور کہہ دیا کہ تجھے طلاقیں ہیں۔ تو پہلے علماء نے ایسی طلاقوں کو ایک ہی طلاق قرار دیا لیکن جب یہ رواج ترقی پکڑتا گیا تو شریعت کی بے حرمتی کی روح کو دور کرنے کیلئے حضرت عمرؓ نے اعلان کر دیا کہ اگر کوئی ایک دفعہ ہی بہت سی طلاقیں دے گا تو میں اسے تین ہی سمجھوں گا تو جس حد تک اسلام کے احکام میں متغیر حالات میں تبدیلی کی اجازت ہے ان میں تبدیلی کی جاسکتی ہے اور اسی کا نام سیاست ہے، اسی کا نام حکمت اور اسی کا نام فلسفہ ہے۔ پس مذہب کیلئے بھی ایک سیاست کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ جو سادہ زندگی کی تحریک میں نے تحریک جدید کے سلسلہ میں کی تھی اس کا ایک حصہ مذہبی سیاست کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ یعنی اس زمانہ میں چونکہ اسلامی حکومت نہیں ہے اس لئے وہ مساوات جسے حکومتیں ہی قائم کرسکتی ہیں اس زمانہ میں قائم نہیں ہوسکتی اور آجکل مسلمان بھی امیر و غریب میں ویسا ہی امتیاز کرنے لگے ہیں جیسا ہندو یا عیسائی کرتے ہیں کیونکہ مسلمانوں کی اپنی حکومت نہیں اور ان کے سامنے کوئی نمونہ نہیں۔ میری خلافت پر اب پچیس سال پورے ہونے کو آئے ہیں اور میں شروع سے ہی یہ مسئلہ سمجھانے کی کوشش کرتا آیا ہوں مگر اب تک جماعت میں یہ قائم نہیں ہوسکا کہ ایسا ادب جو شرک کے مشابہ ہو یا جو ادب کا اظہار کرنے والے کو انسانیت کے مقام سے گرانے والا ہو ناجائز ہے۔ مثلاً یہاں کے لوگوں میں دستور ہے کہ جب کسی بڑے آدمی یا بزرگ کو ملنے کیلئے آتے ہیں تو جوتی اتار لیتے ہیں، بات کرنے لگیں تو ہاتھ جوڑ لیتے ہیں اور بیٹھنے کو کہا جائے تو نیچے بیٹھ جاتے ہیں۔ اسلامی آداب کے لحاظ سے اسے ادب نہیں بلکہ انسانیت کی ہتک سمجھا جائے گا اور اسے ناپسندیدہ قرار دیا جائے گا۔ پچیس سال سے یہ بات میں سکھا رہا ہوں مگر ابھی تک اس پر عمل کرانے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ اب تک یہی حالت ہے کہ بعض لوگ ملاقات کیلئے آتے ہیں تو جوتیاں اُتار دیتے ہیں اور جب اصرار کیا جائے کہ جُوتیاں پہن کر آئیں تو پھر زمین پر بیٹھ جاتے ہیں اور پکڑ پکڑ کر اور اٹھا اٹھا کر انہیں کرسی یا فرش پر جیسی بھی صورت ہو بٹھانا پڑتا ہے لیکن بیٹھنے کے بعد جب

بات شروع کرتے ہیں تو ہاتھ جوڑ لیتے ہیں اور اب تک ایسا ہو رہا ہے۔ اسی ہفتہ ایک دوست ملنے آئے۔ پہلی ملاقات ختم ہونے پر میں گھنٹی بجا دیتا ہوں کہ تا دوسرے دوست آ جائیں۔ میں نے گھنٹی بجائی مگر کوئی نہ آیا پھر گھنٹی بجائی تو دفتر کا آدمی آگے آیا اور میرے پوچھنے پر کہ اگلے ملاقاتی کیوں نہیں آئے بتایا کہ وہ نیچے ہی جُوتا اُتار کر آئے تھے اس لئے میں نے انہیں کہا کہ یہ درست نہیں۔ آپ جُوتا پہن کر تشریف لائیں۔ آخر وہ صاحب تشریف لائے اور آتے ہی زمین پر بیٹھ گئے اور مجھے باصرار ہاتھ پکڑ کر کرسی پر بٹھانا پڑا اس کے بعد جب انہوں نے بات شروع کی تو ہاتھ باندھ لئے اور جب بڑے اصرار کے ساتھ انہیں کہا گیا کہ ہاتھ کھول دیں تو انہوں نے کھولے۔ وہ ہیں احمدی اور آٹھ دس سال سے احمدی ہیں وہ سمجھدار آدمی ہیں کیونکہ جب انہوں نے میرے چہرہ پر ناپسندیدگی کے آثار دیکھے تو بولے کہ اصل بات یہ ہے کہ ہمیں نوکریوں میں ایسا کرنے کی عادت ہو جاتی ہے۔ افسر توقع رکھتے ہیں کہ ان کے سامنے اسی طرح کیا جائے آپ بے شک ایسا نہ کرنے کو کہتے رہتے ہیں مگر ہمیں چونکہ عمل اس کے خلاف کرنا پڑتا ہے اس لئے آپ کی بات ذہن سے نکل جاتی ہے۔

تو غیر مذاہب کے ساتھ میل جول کی وجہ سے کئی چیزیں ایسی ہیں جن کو مسلمان بھی اسلامی سمجھنے لگ گئے ہیں حالانکہ وہ بالکل غیر اسلامی ہیں۔ اسلام نے جو مساوات سکھائی ہے وہ کہیں اور نظر نہیں آتی مگر ہمارا ماحول چونکہ ہندوانہ ہے اور اوپر عیسائی حکومت ہے اور ان دونوں میں مساوات نہیں۔ ہندوؤں میں تو چھوٹائی بڑائی کا فرق اتنا نمایاں ہے کہ جس کی کوئی حد نہیں۔ اسی طرح عیسائیوں میں ہے انکے تو گرجوں میں بھی علیحدہ علیحدہ سیٹیں علیحدہ علیحدہ لوگوں کیلئے مخصوص ہوتی ہیں۔ بعض گرجاؤں میں مساوات پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور وہ اس طرح کہ یہ سیٹ پندرہ روپیہ کرایہ کی ہے، یا دس روپیہ کی اور یہ پانچ روپیہ کی ہے اور یہ دو روپیہ کی ہے اور جو یہ کرایہ ادا کر سکے وہاں بیٹھ سکتا ہے۔ مجھ سے ایک عیسائی نے کہا کہ ہمارے گرجا میں تو مساوات ہے میں نے کہا کہ اس مساوات سے تو وہی فائدہ اٹھا سکتا ہے جس کے پاس پندرہ روپے ہوں جس کے پاس کھانے کو بھی نہ ہو وہ وہاں کیسے بیٹھ سکتا ہے اور یہ چیزیں کوئی اس طرح تو مسلمانوں میں داخل نہیں ہوئیں کہ مصلّے بِکنے لگیں کہ امام کے پیچھے کے مصلّٰی کی یہ قیمت ہے

اور دائیں بائیں کھڑے ہونے کی اتنی اور یہ تو نہیں ہؤا کہ پہلی صف میں کھڑے ہونے کا کرایہ پانچ روپیہ اور دوسری کا چار یا تین مگر اور شکلوں میں عدمِ مساوات مسلمانوں میں بھی آ گئی ہے۔ اگر اسلامی حکومت ہوتی تو ماحول ہی ایسا ہوتا کہ یہ چیزیں پیدا نہ ہوسکتیں مگر چونکہ اسلامی حکومت قائم نہیں اس لئے ماحول کے مطابق مسلمانوں میں کچھ نہ کچھ رنگ دوسروں کا آ گیا ہے اور میں نے محسوس کیا کہ تحریک جدید میں اس بات کا بھی خیال رکھا جائے کہ مساوات کا احساس جماعت میں قائم اور زندہ رہے اور مَر نہ جائے اور اس کیلئے سادہ زندگی کی تجویز میں نے کی اور اس کا ایک حصہ ہاتھ سے کام کرنے کی عادت ہے، تا کہ امیر اور غریب کا نمایاں امتیاز مٹ جائے، جس حد تک اس کو قائم رکھنے کی شریعت نے اجازت دی ہے اسے تو ہم نہیں مٹاتے۔ شریعت نے یہ نہیں کہا کہ کوئی شخص اگر دس روپے کما کر لائے تو اس سے چھین لو اس لئے ہم یہ نہیں کر سکتے ہاں روپیہ کمانے والوں پر جو پابندیاں اس نے عائد کی ہیں۔ مثلاً یہ کہ ان سے زکوٰۃ لو، چندے لو، یہ کر لیتے ہیں۔ ہاں مساوات قائم کرنے کا ایک ذریعہ یہ ہے کہ ہاتھ سے کام کرنے کی عادت ڈالی جائے۔ سب امیر غریب اکٹھے ہو کر ٹوکریاں اٹھائیں اور مٹی ڈھوئیں تا اخوت اور مساوات کی روح زندہ رہے۔

اسی طرح کھانے پینے کے متعلق پابندیاں ہیں۔ جمعہ کے روز کیلئے بے شک میں نے پابندیوں کو ایک حد تک کم کر دیا ہؤا ہے تا جو دوست اپنے احباب اور رشتہ داروں کے ساتھ مل کر کھانا پینا چاہیں وہ ایسا کر سکیں مگر نسبتاً اس دن بھی تنگی رکھی ہے۔ باقی ایام کیلئے سب کو ایک ہی کھانے کا حکم ہے تا امیر غریب میں کوئی امتیاز نہ رہے۔ اگر دوست اس پر پوری طرح عمل کریں تو امیر کو اپنے غریب بھائی کی دعوت پر کسی قسم کی تکلیف نہ ہوگی اور اسی طرح دعوتوں میں زیادہ دوستوں کو بلانے کا موقع مل سکے گا۔ پہلے اگر دس دوستوں کو بلا سکتے تھے تو سادگی کی صورت میں تیس چالیس کو بلا سکیں گے۔ اس کے برعکس امیر جب دعوت کرتے تھے تو پانچ دس کھانے پکانا ضروری سمجھتے تھے اور چونکہ کسی کے پاس لامحدود دولت تو ہوتی نہیں، اسلئے مجبوراً صرف چند امیر احباب کو بُلا لیتے تھے لیکن کھانے میں سادگی کی وجہ سے اتنی گنجائش ہوسکتی ہے کہ غریبوں کو بھی بُلا لیں اور اس طرح دونوں کیلئے ایک دوسرے کے ہاں آنے جانے کا راستہ کھل گیا ہے۔

گو امیر و غریب کے ہاں کھانے میں گھی یا مصالحہ اور خوشبو کی کمی بیشی کا امتیاز رہ جائے لیکن کھانا ایک ہی نظر آئے گا اور یہ اس مطالبہ کا مذہبی سیاسی پہلو تھا کہ دوئی کی روح کو مٹایا جائے اور یہ احساس نہ رہے کہ دونوں علیحدہ علیحدہ طبقے ہیں اور گو یکجہتی، اتحاد اور مساوات کی حقیقی روح حکومت کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتی مگر اس تحریک کے ذریعہ مَیں نے کوشش کی ہے کہ وہ زندہ رہے تا جب بھی مسلمان حکومت آئے تو ہم اسے قبول کرنے کیلئے تیار ہوں اور یہ نہ متحد ہو کر لڑنے لگیں کہ ہم یہ نہ ہونے دیں گے کہ چھوٹائی بڑائی کے امتیاز کو مٹا دیا جائے۔ آج اگر ہندوؤں کی حکومت قائم ہو جائے تو بجائے اس کے کہ مساوات قائم ہو ان میں جو امتیازات ہیں وہ زیادہ شدت اختیار کریں گے لیکن اسلامی حکومت کا قیام مساوات کو صحیح رنگ میں قائم کرے گا اور میری غرض یہ ہے کہ جب تک اسلام کی حکومت دنیا میں قائم نہ ہو مساوات کی روح زندہ رہے۔

دوسرا پہلو اس مطالبہ کا اقتصادی تھا۔ اس میں میرے مدنظر یہ بات تھی کہ اگر جماعت بغیر بچت کرنے کے چندوں میں زیادتی کرتی جائے گی تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ کمزور ہوتی جائے گی۔ حتّٰی کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ اس میں کوئی قربانی کرنے کی طاقت ہی نہ رہے گی اس لئے میں نے سوچا کہ ان میں کفایت شعاری کا مادہ پیدا ہو اور جب کفایت کی عادت ہوگی تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اپنے اخراجات میں کمی کر کے چندے دیں گے اور چندوں کیلئے ان کو قرض لینے کی ضرورت نہ ہوگی بلکہ جب یہ روح ان میں پیدا ہوگی تو وہ کچھ نہ کچھ پس انداز بھی کریں گے۔ امانت فنڈ کی مضبوطی کا مطالبہ دراصل پس انداز کرانے کے لئے ہی تھا مگر افسوس ہے کہ دوستوں نے اس سے پورا فائدہ نہیں اٹھایا، حالانکہ اس کی اصل غرض صرف یہ تھی کہ جماعت کی مالی حالت مضبوط ہو، وہ اقتصادی لحاظ سے ترقی کرتی جائے اور فضول اخراجات کو محدود کرتی جائے یہ نہ ہو کہ اخراجات کو بدستور رکھے اور جب چندہ کا وقت آئے تو بوجھ محسوس کرے اور جائدادیں فروخت کر کے دے۔ اس میں شک نہیں کہ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں، جن کیلئے جائدادیں فروخت کر کے بھی چندوں کا ادا کرنا ضروری ہوتا ہے مگر یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جن کی طرف دوسروں کی نگاہیں اٹھتی ہیں اور جنہیں دوسروں کے سامنے اپنا نمونہ پیش کرنا ضروری ہوتا ہے۔ باقی لوگوں کیلئے اخراجات کو کم کر کے ہی دین کی مدد کرنا ضروری ہوتا ہے

اوریہی مدد ہے جوان کیلئے بھی اور دین کیلئے بھی زیادہ ثواب کا مستحق ہوسکتی ہے اوراخراجات میں کمی کرنا انسان کے بس کی بات ہوتی ہے۔ جولوگ پینشن لیتے ہیں وہ فوراً اپنے اخراجات کوکم کر دیتے ہیں یا نہیں۔اگر ہزار تنخواہ ملتی تھی تو پینشن پانچ سو رہ جاتی ہے، پانچ سَو ہوتو اڑھائی سَو اورسَو ہوتو پچاس اور پینشن لینے والا اس کے مطابق اپنے اخراجات میں بھی کمی کر دیتا ہے اور جب دنیوی حالات میں تبدیلی کی وجہ سے اخراجات میں کمی کی جاسکتی ہے تو دین کیلئے ایسا کرنا کیا مشکل ہے حالانکہ ایسا کرنے میں سراسر ہمارا اپنا فائدہ ہے کیونکہ جو بچت ہو گی وہ ہمارے ہی کام آئے گی۔شادی بیاہ اوردوسری ایسی ضروریات کے موقع پر قرض نہ لینا پڑے گا یا اگر اس بچت سے ان کی جائیدادیں بڑھیں گی تو ان سے ان کی آمد میں اضافہ ہو گا اور وہ ان کے اوران کی اولادوں کے کام آئیں گی۔تو بہت سے فوائد اس کے نتیجہ میں پیدا ہونگے اور سادہ زندگی کے فوائد کا یہ اقتصادی پہلو ہے۔خلاصہ یہ کہ ایک پہلو اس تحریک کا مذہبی سیاسی تھا تاکہ جماعت میں ایسی روح پیدا ہو جائے کہ مساوات قائم رہے اور چھوٹے بڑے کا امتیاز مٹ جائے اور یہ تفرقہ آگے جاکر دوسرے بڑے تفرقوں کا موجب نہ ہو۔

بے شک عادتوں کو چھوڑنا مشکل ہوتا ہے جو شخص اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے اس کیلئے یہ بہت مشکل ہوتا ہے کہ کھانے اور کپڑے میں تبدیلی کرے اسے اس میں شرم محسوس ہوتی ہے۔ وہ خیال کرتا ہے کہ لوگ کیا کہیں گے اوراس وجہ سے یہ بہت بڑی قربانی ہے مگر قربانی کے بغیر قومی ترقی ہو ہی نہیں سکتی۔

یہ خیال بالکل غلط ہے کہ سادہ زندگی کا مطالبہ صرف امراء کیلئے ہے۔غریب کا تو پہلے ہی بمشکل گزارہ ہوتا ہے۔ وہ بچت کس طرح کرسکتا ہے کیونکہ امیر کو اگر ضرورت کے وقت زیادہ رقم درکار ہوتی ہے تو غریب کو اسی نسبت سے کم رقم کی ضرورت ہوتی ہے۔امیر کہتا ہے کہ اس وقت اگر دس ہزار روپیہ ہوتو کام چل سکتا ہے مگر غریب کہتا ہے کہ اگر پانچ روپے ہوں تو کام چل سکتا ہے۔کام دونوں کے رکے ہوئے ہوتے ہیں امیر کا دس ہزار کیلئے اور غریب کا پانچ کیلئے۔ میں نے بعض سوالی دیکھے ہیں جو کہتے ہیں کہ ایک روپیہ فلاں ضرورت کیلئے درکار ہے اس میں سے آٹھ آنے تو مہیا ہو گئے ہیں باقی صرف آٹھ آنے کی اور ضرورت ہے۔پس اگر غریب بھی

بچت کا خیال کریں اور اتنی تبدیلی اخراجات میں کرلیں کہ ایک آنہ ماہوار ہی بچالیں تو انہیں بھی فائدہ پہنچ سکتا ہے کیونکہ جیسا کہ میں نے بتایا ایسے غریب لوگ بھی ہوتے ہیں جن کا آٹھ آنے نہ ہونے کی وجہ سے کوئی کام رکا رہتا ہے۔ ایسے غریب بھی ہوتے ہیں جن کا کام کسی وقت بارہ آنے یا روپیہ پاس نہ ہونے کی وجہ سے رک جاتا ہے اور جو شخص روپیہ یا دو روپیہ ماہوار کی بچت کرسکے وہ بھی اس کے لئے بہت مفید ہوسکتی ہے کیونکہ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو دس، بارہ یا بیس پچیس روپے نہ ہونے کی وجہ سے اپنا کام نہیں چلا سکتے اور اگر وہ روپیہ دو روپیہ ماہوار بچاتے جائیں تو چونکہ ان کی ضرورتیں بھی اسی کے مطابق ہوتی ہیں اس لئے یہ بچت بھی ان کے لئے مفید ہوتی ہے۔ ہر شخص کے کام اور اسکی ضرورت کی نوعیت مختلف ہوتی ہے۔ کسی کا کام آٹھ آنے نہ ہونے کی وجہ سے رک جاتا ہے تو کسی کا دس ہزار نہ ہونے کی وجہ سے۔ پھر ایسے غرباء بھی ہوتے ہیں جو ایک پیسہ کے محتاج ہوتے ہیں ان کیلئے بظاہر اقتصادی زندگی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا مگر میں نے ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں جو کہتے ہیں کہ ایک پیسہ ہوتو کیا اچھا ہو۔ تو ہر شخص کی ضرورت اور اقتصادی پہلو برابر برابر چلتے ہیں۔ بے شک ایک غریب آدمی کہہ سکتا ہے کہ اگر میں نے دو چار روپے جمع کر بھی لئے تو ان سے کیا ہوتا ہے لیکن اسے خیال رکھنا چاہئے کہ اس کی ضرورتیں بھی ایسی ہی ہوتی ہیں۔ کئی دفعہ ایسی ضروریات پیش آجاتی ہیں کہ انسان کہتا ہے اس وقت اگر دس روپے پاس ہوتے تو بہت اچھا ہوتا اور اگر وہ بارہ آنہ یا روپیہ ہر مہینہ جمع کرتا رہے تو دوسرے سال دس روپے والی ضرورت جب اسے پیش آئے گی تو اس کا کام چل جائے گا اور اسے کوئی تکلیف محسوس نہ ہوگی۔ یہ صحیح ہے کہ غریب آدمی اپنی حالت کے مطابق بہت قلیل رقم پس انداز کرسکتا ہے مگر اس کی ضرورتیں بھی تو قلیل ہی ہوتی ہیں۔ تھوڑا تھوڑا کرکے وہ سال میں جس قدر پس انداز کرتا ہے اس کا نہ ہونا کسی وقت اس کی تباہی کا موجب ہوسکتا ہے۔

تھوڑا ہی عرصہ ہؤا فیروز پور کا ایک واقعہ اخبارات میں شائع ہؤا ہے۔ کسی زمیندار نے ساہوکار سے پچاس روپے قرض لئے چونکہ اسے ضرورت سخت تھی اس وقت روپیہ اسے ۵۰، ۶۰ فیصدی شرح سُود پر ملا۔ اس کے بعد اس نے اس قرض کو ادا کرنے کی بہت کوشش کی۔ مگر چونکہ سُود کی شرح بہت زیادہ تھی اس لئے تیس روپے بطور سود دینے پڑتے تھے لیکن اس کی آمد اتنی تھی

کہ وہ صرف پندرہ روپے ہی ادا کرسکتا تھا چنانچہ اس نے پندرہ روپے ادا کر دیئے۔تو چونکہ سُود تیس تھا اس لئے پندرہ روپے اس میں سے بھی باقی رہ گئے اس کے ذمہ بجائے پچاس کے پندرہ ادا کرنے کے بعد بھی پینسٹھ رہ گئے۔اس پر ساٹھ فیصدی سود ۳۹ روپے بنا،جن میں سے پھر اس نے پندرہ روپے ادا کر دیئے۔تو باقی ۲۴ اصل میں جمع ہو کر ننانوے ہو گئے۔نتیجہ یہ ہؤا کہ اب چالیس پچاس سال کے بعد جبکہ وہ خاندان ہزاروں روپیہ ادا بھی کر چکا تھا اس کے ذمہ ایک لاکھ سے زائد رقم بقایا تھی۔اب دیکھو اسے قرض لینے کے وقت ضرورت تو پچاس کی ہی تھی اور وہ پندرہ روپے سالانہ بچت کر کے بعد میں ادا بھی کرتا رہا لیکن پندرہ روپیہ سالانہ بچت کرنے کی مصیبت اگر وہ تین سال پہلے اٹھا لیتا تو اس کے پاس ضرورت کے وقت ۴۵ روپے اپنے جمع ہوتے اور اسے قرضہ لینے کی ضرورت پیش نہ آتی لیکن اس نے تین سال پہلے یہ تکلیف نہ اٹھائی مگر بعد میں پچاس سال برابر اٹھاتا رہا۔بعد میں غلہ کی قیمت میں بھی اضافہ ہوتا رہا، زمینوں کی حیثیت بھی بڑھتی گئی اس لئے وہ یا اس کا خاندان اس قرضہ میں زیادہ رقوم بھی ادا کرتا رہا مگر جتنا اضافہ ان کی ادائیگی کی اقساط میں ہوتا دوسری طرف اتنا ہی قرضہ کی رقم بڑھتی چلی جاتی تھی۔

تو انسان کو کسی نہ کسی وقت مصیبت تو آ ہی جاتی ہے اور اگر انسان سمجھے کہ مصیبت کے بعد جو تکلیف اٹھانی ہے وہ پہلے ہی اٹھا لوں تو بہت فائدہ میں رہتا ہے لیکن لوگ مصیبت تو اٹھاتے ہیں مگر بعد میں پہلے نہیں۔اگر کسی سے کہو کہ کچھ نہ کچھ پس انداز کیا کرو تو وہ یہی جواب دے گا کہ کھانے کو تو ملتا نہیں جمع کہاں سے کریں لیکن اگر پوچھو کہ قرض لیا ہؤا ہے یا نہیں تو جواب اثبات میں ملے گا۔اس قرض کا سُود تو ادا کرتے جائیں گے لیکن پہلے کچھ جمع نہیں کر سکتے حالانکہ پہلے اگر کچھ جمع کرتے جائیں تو نہ قرض لینے کی نوبت آئے اور نہ سود دینے کی۔بات ایک ہی ہے۔اگر پچاس روپیہ آدمی پہلے جمع کر لے تو بھی اور اگر بنئے سے روپیہ لے کر بعد میں سُود سمیت رقم ادا کر دے تو بھی۔ہاں دوسری صورت میں تکلیف زیادہ اٹھانی پڑتی ہے اور روپیہ بھی زیادہ ادا کرنا پڑتا ہے کیونکہ قرض بڑھتا چلا جاتا ہے۔یہ اتنی موٹی بات ہے کہ معمولی سے معمولی عقل کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے مگر مصیبت کے وقت تو لوگ بوجھ اٹھانے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں لیکن

آرام کے وقت عقل سے کام نہیں لیتے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مدت العمر مقروض رہتے ہیں اور فصل پکنے کے بعد بنیا آتا ہے اور غلہ اٹھا کر لے جاتا ہے حالانکہ اگر اس مصیبت کے آنے سے پہلے وہ آدھی مصیبت بھی اُٹھا لیتے تو نہ قرض لینے کی نوبت آتی اور نہ بنیا آکر اس طرح سب کچھ لے جاتا۔

پس یہ تحریک صرف امراء کیلئے ہی نہیں بلکہ غریبوں کیلئے بھی تھی لیکن امراء تو خیال کرتے ہیں کہ ہمارا گزارہ تو اچھا چل رہا ہے ہمیں پس انداز کرنے کی کیا ضرورت ہے جب کہ آمد کافی ہے حالانکہ وہ بھی حادثات کا شکار ہو سکتے ہیں اور غریب سمجھتے ہیں کہ ہم نے جمع کیا کرنا ہے ہمارے پاس ضرورت سے زیادہ ہے ہی نہیں مگر یہ وہ کر لیتے ہیں کہ پہلے قرض لے لیا اور پھر جمع کر کے اسے ادا کر دیا۔ گویا وہ جمع تو کرتے ہیں مگر ایک ایسے صندوق میں جس کے نیچے سوراخ ہو اور جو کچھ اس میں ڈالیں وہ دوسرے رستے سے نکلتا جائے۔ وہ جو کچھ اس میں ڈالتے ہیں وہ اسی سوراخ کے رستے بنئے کے گھر میں گرتا جاتا ہے۔ عقلمندی یہ نہیں کہ جسے دو روٹیاں نہیں ملتیں وہ ڈیڑھ ہی کھائے، بلکہ عقلمندی یہ ہے کہ جب اسے دو ملتی ہیں اس وقت بھی وہ ڈیڑھ کھائے اور نصف ضرورت کیلئے اٹھا رکھے اور جسے دو بھی نہیں ملتیں وہ بھی جو ملے اس میں سے کچھ نہ کچھ پس انداز کرے تا مصیبت کے وقت اس سے فائدہ اٹھا سکے کیونکہ جب تک ایسی حکومت موجود نہ ہو جو ہر شخص کے کھانے کی ذمہ دار ہو اس وقت تک یہ فکر نہ کرنا عاقبت نا اندیشی ہے۔

پس میری تجویز یہ ہے کہ آدھی روٹی گھر میں رکھو تا جب نہ ملے تو اسے کھا سکو اور اسی غرض سے میں نے تحریک جدید امانت فنڈ قائم کیا تھا۔ جو شخص اس تجویز پر عمل کرتا ہے وہ فائدہ میں رہتا ہے اور باقی ماندہ روٹی اس کے کام آتی ہے لیکن جو عمل نہیں کرتا کھاتا تو وہ بھی ڈیڑھ ہی ہے، مگر آدھی بنئے کو دیتا ہے۔

پس کوئی شخص خواہ کتنا غریب ہو اُسے چاہئے کہ کچھ نہ کچھ ضرور جمع کرتا رہے خواہ پیسہ یا دو پیسے ہی کیوں نہ ہوں کیونکہ بعض اوقات پیسہ دو پیسہ کا ہی خرچ آپڑتا ہے جس کے پورا کرنے کی کوئی اور صورت نہیں ہوتی اور اس وقت جمع شدہ پیسہ کام آتا ہے۔ بعض اوقات غریب لوگ فوت ہو جاتے ہیں تو کفن کیلئے بھی گھر میں کچھ نہیں ہوتا۔ اور اگر ایک دو آنہ ماہوار بھی انسان بچاتا رہے

تو بھی مرنے کے بعد گھر کے برتن یا دوسرا سامان گرو رکھ کر کفن کا انتظام نہ کرنا پڑے گا۔

یہ اتنی موٹی بات ہے۔مگر شاید میرے بیان میں کوئی نقص ہے یا جماعت کے سمجھنے میں کہ ابھی تک جماعت میں یہ بات پیدا نہیں ہوسکی۔

اچھی طرح یاد رکھو کہ سادہ زندگی اس تحریک کیلئے ریڑھ کی ہڈی کی طرح ہے اس میں غریبوں کا امیروں کی نسبت زیادہ فائدہ ہے کیونکہ وہ جو کچھ جمع کریں گے اپنی ضرورت کیلئے کریں گے اوراسی طرح امراء کوبھی اس سے فائدہ ہے اگر کوئی مصیبت کا وقت آجائے تو اس وقت پس انداز کیا ہؤا سرمایہ ان کے کام آئے گا۔

پس میں آج پھر جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ سادہ زندگی کا مطالبہ تحریک جدید کے اہم مطالبات میں سے ایک ہے۔اس کا اقتصادی پہلو اور مذہبی سیاسی پہلو دونوں بہت اہمیت رکھتے ہیں۔اگر ہم اس کے ذریعہ غریب اور امیر کے فرق کو کسی حد تک مٹانے اورمساوات کی اس روح کو جو اسلام قائم کرنا چاہتا ہے قائم رکھنے میں کامیاب ہوجائیں تو یہ ایک عظیم الشان کام ہوگا، جو لاکھوں کروڑوں بلکہ اربوں، کھربوں روپیہ سے زیادہ قیمتی ہے، بلکہ دنیا کی تمام دولت سے زیادہ بیش قیمت ہے۔

میں نے دیکھا ہے کہ کھانے کے متعلق بالعموم احباب جماعت نے پابندی کی ہے،لباس کے متعلق کچھ حصہ نے کی ہے مگر کچھ حصہ نے نہیں کی۔بعض کے متعلق تو مجھے معلوم ہے کہ انہوں نے چندے زیادہ لکھوا دئے اور پھر دو دو تین تین سال تک کوئی کپڑے نہیں بنوائے۔خود میرا بھی یہی حال ہے کہ کل ہی ایک عجیب اتفاق ہؤا۔جس پر مجھے حیرت بھی آئی۔ایک دوست ملنے آئے اورانہوں نے ایک تحفہ دیا کہ فلاں دوست نے بھیجا ہے وہ ایک کپڑے کا تھان تھا اس کے ساتھ ایک خط تھا جس میں اس دوست نے لکھا تھا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ آپ آئے ہیں اور کہا ہے کہ قمیضوں کیلئے کپڑے کی ضرورت ہے بازار سے لا دو۔اس پر میں نے دریافت کیا کہ آپ صاف کپڑا پسند کرتے ہیں یا دھاری دار؟ آپ نے اس کا کوئی جواب لفظوں میں تو نہیں دیا،لیکن میرے دل پر یہ اثر ہؤا کہ دھاری دار آپ کی پسند نہیں اوراس خواب کو پورا کرنے کے لئے میں یہ کپڑا بھیجتا ہوں۔میں نے وہ تھان لا کر گھر میں دیا کہ کسی نے بھیجا ہے

اوراس سے قمیضیں بنوائی جائیں۔انہوں نے لے کر کہا کہ الحمدللہ چار سال کے عرصہ میں آپ نے قمیضوں کیلئے کپڑا نہیں خریدا تھا اور آپ کی پہلی قمیضیں ہی سنبھال سنبھال کر اب تک کام چلایا جار ہا تھا یا ایک دو قمیضوں کے کپڑوں سے جو کوئی تحفہ کے طور پر دے جاتا تھا، اب یہ مشکل دور ہوئی تو خود میں نے کپڑوں میں بڑی احتیاط سے کام لیا ہے۔

میں ضمناً یہ بات بھی کہنا چاہتا ہوں کہ اس دوست کے خط کو پڑھ کر معاً میرے دل میں خیال آیا کہ پچاس سال کی عمر ہونے کو آئی ہے، جاگتے ہوئے تو میں نے کبھی کسی سے مانگا نہیں مگر خواب میں جا مانگا اور گو یہ میں نے نہیں مانگا تھا بلکہ فرشتوں نے مانگا تھا،لیکن یہ امر واقع ہے کہ پھر بھی مجھے شرم محسوس ہوئی اور میں نے اس وقت دعا کی کہ اے خدا! جس طرح تُو نے اپنے فضل سے جاگتے ہوئے مانگنے سے اب تک بچایا ہے خواب کے سوال سے بھی بچائے رکھ۔ اور اگر خواب میں کسی کو تحریک کرنی ہو تو میرے منہ سے نہ کروا۔اور یہ خواب میں مانگنے کا بھی میری یاد کے مطابق پہلا ہی واقعہ ہے۔ورنہ خواب میں بھی میں نے کسی سے کبھی نہیں مانگا۔ایک دفعہ ایک دوست نے لکھا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تشریف لائے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اتنے روپیہ کی ضرورت تھی اس میں سے اتنا پورا ہوگیا ہے اور اتنا ابھی باقی ہے جو تم قرض دے دو۔سو میرے پاس اس قدر رقم ہے، اگر خواب ظاہری تعبیر کے مطابق درست ہے تو اطلاع ملنے پر روپیہ بھجوا دوں گا۔ یہ خواب بالکل سچی تھی بعینہٖ حالات اسی طرح تھے مجھے اس وقت کچھ ضرورت تھی، اس میں سے اسی قدر رقم کا جو خواب میں اس دوست کو بتائی گئی تھی انتظام ہو گیا تھا اور اس قدر رقم جو ان سے طلب کی گئی تھی مہیا ہونی باقی تھی ۔ میں نے انہیں اطلاع دی اور انہوں نے وہ رقم بھجوادی ۔فَجَزَاهُ اللّٰهُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ ۔خیر تو اس شخص کا خط پڑھ کر جنہوں نے کپڑا بھجوایا تھا بے اختیار میرے منہ سے دعا نکلی کہ خداوندا! خواب میں بھی میں مانگنا پسند نہیں کرتا آئندہ اپنے فضل سے ایسا خواب بھی کسی کو نہ دکھا، جس میں سوال میرے منہ سے ہو۔ مجھے تو تُو اپنے ہی دَر کا سوالی بنا رہنے دے۔

ہاں میں کہہ رہا تھا کہ کھانے کے متعلق پابندی دوستوں نے کی ہے مگر لباس کے متعلق ایک حصے نے کی ہے اور ایک نے نہیں کی۔میرے لئے تو اس پابندی کا سوال اکثر پیدا ہی

نہیں ہوسکتا، کیونکہ بعض دوست میرے لئے کوٹ وغیرہ لباس بنوا کر بھیج دیتے ہیں اس لئے میں خود تو وہ بنواتا ہی نہیں، کرتہ یا پاجامہ عام طور پر بنواتا ہوں مگر وہ بھی گھر والوں نے بتایا ہے کہ چار سال سے نہیں بنے۔ کوٹ بھی میں تھوڑا تھوڑا عرصہ پہن کر دوستوں کو دے دیتا ہوں مگر بعض دوست اور بھیج دیتے ہیں اور اس طرح یہ سلسلہ چلا جاتا ہے۔ مجھے اور بھی ایسے لوگ معلوم ہیں جنہوں نے دو دو چار چار سال سے کپڑے نہیں بنوائے اور اس میں سراسر انہی کا فائدہ ہے۔ اگر اس بچت سے وہ چندہ دیتے ہیں تو بھی ان کا فائدہ ہے اور اگر جمع کرتے ہیں تو بھی ان کا یا ان کی اولادوں کا۔ تو یہ تحریک جدید کا بہت ضروری حصہ ہے، جس کی طرف جماعت کو توجہ کرنی چاہئے۔ لباس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قدر سادگی پسند فرماتے تھے کہ درحقیقت آج آپ کے حالات پڑھ کر مجھے تو شرم آجاتی ہے۔ گو آجکل حالات بدل گئے ہیں اور حالات کے ماتحت تبدیلیاں بھی کرنی پڑتی ہیں مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جو محبت ہے اس کی وجہ سے حالات کی تبدیلی کے باوجود شرم آنے لگتی ہے۔ حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ مجھے ایک چغہ پسند آیا جو کوئی شخص بیچنے کیلئے لایا تھا میں اسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے گیا اور عرض کی کہ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! اسے خرید لیجئے، عید وغیرہ کے موقع پر پہننے کے کام آئے گا اور اچھا لگے گا۔ حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ میری یہ بات سن کر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منہ پر سرخی آگئی، گویا آپ نے اسے بہت ناپسند فرمایا اور فرمایا یہ تو قیصر و کسریٰ والی باتیں ہیں عمر! یہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے نہیں رکھیں [1] شاید رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خیال آیا کہ عمر کو یہ چغہ پسند آیا ہے کیونکہ بعد میں جب کسی شخص نے ویسا چغہ بطور ہدیہ آپ کو بھجوایا تو آپ نے وہ چغہ حضرت عمرؓ کے پاس بھجوا دیا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کی کہ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! آپ کو یاد ہوگا۔ میں نے ایک دفعہ آپ سے ایسے ہی چغہ کو خریدنے کو کہا تھا تو آپ نے سخت ناپسند فرمایا تھا مگر اب آپ نے اسی قسم کا چغہ میرے پاس بھیج دیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے تمہارے پہننے کیلئے نہیں بھیجا اسے پھاڑ پھوڑ کر عورتوں کے کپڑے بنوالو۔[2] تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کپڑوں میں جس قدر سادگی اختیار کرتے تھے اس میں سے تغیر زمانہ کے حصّہ کو اگر منہا بھی کر دیا جائے تب بھی وہ بہت بڑی سادگی ہے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ اس زمانہ میں کپڑا بہت کم ہوتا تھا

اور اس لئے قیمتیں زیادہ تھیں اور اب بہت سستا ہے۔ اُس زمانہ میں جو کپڑا امراء پہنتے تھے وہ آج غریبوں کو بھی میسر ہے یہی گبرون اور لدھیانہ اُس زمانہ میں بہت قیمتی اور امراء کے پہننے کا کپڑا سمجھا جاتا تھا مگر اب یہی غریبوں کا عام لباس ہے تو آج کپڑا بہت سستا ہو گیا ہے۔ جو آج غرباء کا لباس ہے وہ اُس زمانہ میں امارت کی نشانی سمجھا جاتا تھا۔ یہ سوسیاں [۳] وغیرہ بہت قیمت پاتی تھیں جن میں کوئی کوئی تار ریشم کا ہوتا تھا اور اسے معیارِ امارت سمجھا جاتا تھا۔ تو یہ فرق بے شک دونوں زمانوں میں ہے لیکن اس فرق کو منہا کر کے بھی دیکھا جائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی بہت سادہ تھی اور حقیقت یہ ہے کہ اس کے بغیر ساری دنیا کی ترقی کا سامان ہو ہی نہیں سکتا۔ اسلام بے شک اس کی اجازت دیتا ہے کہ روپیہ کماؤ مگر اسے خرچ اس طرح کرنے کا حکم دیتا ہے کہ سب بنی نوع انسان اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ سادہ زندگی سے صرف بچت ہی نہیں ہوتی بلکہ اور بھی کئی فوائد ہوتے ہیں۔ مہمان نوازی میں مدد ملتی ہے جو اعلیٰ درجہ کے اخلاق میں سے ایک ہے اور جسے حضرت خدیجہؓ نے نبوت کی تصدیق میں بطور ثبوت پیش کیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب پہلی مرتبہ وحی نازل ہوئی تو آپ بہت گھبرائے ہوئے گھر پہنچے اس وقت حضرت خدیجہؓ نے آپ کو تسلی دی اور کہا کہ آپ میں یہ یہ خوبیاں ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا اور ان خوبیوں میں سے ایک آپ نے مہمان نوازی بیان کی۔ [۴] پُر تکلف کھانوں کا رواج ہو تو انسان کو مہمان نوازی میں بہت سخت دقت پیش آتی ہے ایک روپیہ میں ایک شخص کیلئے کھانا بمشکل تیار ہو سکتا ہے اس لئے مہمان نوازی نہیں ہو سکتی لیکن اس طرح ایک دو آنہ میں گزارہ ہو جاتا ہے اور ایک روپیہ کے صرف سے دس بیس مہمانوں کو کھانا کھلایا جا سکتا ہے۔ تو سادہ زندگی میں مہمان نوازی بڑھ جاتی ہے۔ مہمان سمجھتا ہے کہ میرا دوست تکلف نہیں کرے گا اس لئے دلیری سے وہاں چلا جاتا ہے اور میزبان بھی کوئی تکلف محسوس نہیں کرتا کیونکہ جو کچھ گھر میں موجود ہو لا کر رکھ سکتا ہے۔ کسی کی دعوت کا مفہوم آجکل یہی سمجھا جاتا ہے کہ بہت پر تکلف کھانے تیار کروائے جائیں اور ذہنیت بھی ایسی ہو گئی ہے کہ اگر کسی کو بلاؤ اور پلاؤ تیار نہ ہو تو اس کے ماتھے پر سلوٹیں پڑنے لگتی ہیں اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا کسی نے جوتیاں ماری ہیں۔ دل میں کڑھتا اور کہتا ہے کہ دیکھو خبیث نے بلا کر میرا وقت

ضائع کیا حالانکہ اس غریب نے محبت کی وجہ سے کہیں سے قرض لے کر یا کئی روز کا فاقہ کر کے دعوت کی اور اس کے گلے میں کھانا اس لئے پھنس رہا ہے کہ پلاؤ نہیں اس لئے غریب آدمی مہمان نوازی سے ڈرتے ہیں لیکن اگر اسی طرح مہمان نوازی ہو کہ جس طرح گھر میں کھانا پکتا اور کھایا جاتا ہے اسی طرح مہمان کے بھی پیش کر دیا جائے تو کسی کو کوئی تکلیف نہ ہوگی اور پیسہ بھی خرچ نہ ہوگا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک مؤمن کا کھانا دو کیلئے کافی ہوتا ہے۔[۵] کل ہی جب میں عید پڑھ کر آیا تو معلوم ہوا کہ چھ سات ہندو دوست آئے ہوئے ہیں جن میں سے ایک ولایت کے سفر میں ہم سفر تھے۔ میں نے پہلے ان سے دریافت کرایا کہ مسلمانوں کے ہاں کھا لیتے ہیں یا نہیں تا اگر نہ کھائیں تو ہندوؤں کے ہاں ان کیلئے انتظام کرایا جائے مگر انہوں نے کہا کہ ہم تو کھا لیتے ہیں۔ اس پر میں نے ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ ان کو لے آئیں اور سب بیویوں سے کہا کہ اپنے کھانے بھجوا دیں گو اس میں شک نہیں کہ اگر وہ کسی دوسرے روز آتے تو مجھے ان کیلئے خاص کھانا تیار کرانا پڑتا، لیکن عید کی وجہ سے چونکہ نسبتاً اچھا کھانا تھا میں نے سب گھروں سے کھانا جمع کر لیا اور نہ ہمیں کوئی تکلیف ہوئی اور نہ مہمانوں کو۔ اگر سادہ زندگی کے لوگ عادی ہوں تو ہر روز کی دعوت بھی تکلیف کا موجب نہیں ہو سکتی بلکہ میں تو سمجھتا ہوں کہ اگر دوستوں میں سادہ زندگی کی روح قائم ہو جائے تو لنگر خانہ کی ضرورت بھی نہیں رہتی اور مہمان نوازی میں بھی کسی کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ آنے والا مہمان بھی یہ سمجھے گا کہ جو موجود ہوگا کھا لوں گا اس لئے اسے کوئی تکلیف نہ ہوگی اور میزبان یہ سمجھے گا کہ جو ہوگا وہ پیش کر دونگا اس لئے اسے بھی کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ انسان کیلئے بعض اوقات پیسہ مہیا کر کے خرچ کرنا مشکل ہوتا ہے، لیکن خود فاقہ کر لینا مشکل نہیں ہوتا۔ کسی شخص کے گھر کے دس آدمی ہیں تو اگر اس کے پاس سَو مہمان آجائے اور اگر اس کے پاس طاقت نہ ہو تو اسے ضرور قرض لے کر مہمان نوازی کرنی پڑے گی لیکن اگر پانچ آجائیں تو گھر کے پانچ افراد فاقہ کر کے ان کو کھلا سکتے ہیں۔ فاقہ اختیار کرنا اختیاری امر ہے۔ آخر روزے بھی تو رکھے ہی جاتے ہیں مگر روپیہ لانا اختیاری امر نہیں اسلئے سادہ زندگی میں انسان بغیر کسی بوجھ کے اپنا فرض ادا کر سکتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ایسا ہی ہوتا تھا۔ ایک دفعہ ایک مہمان آیا

آپ نے ایک صحابی سے فرمایا تم اسے اپنے گھر لے جاؤ وہ انہیں اپنے ساتھ لے گئے۔ شاید کسی وقت ان کی حالت اچھی ہوگی اسلئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سپرد مہمان کردیا مگر ان دنوں ان کی حالت اچھی نہ تھی گھر پر پہنچے تو معلوم ہؤا کہ کھانا صرف ایک آدمی کا ہے اور صرف بچوں کیلئے کفایت کرسکتا ہے۔ میاں بیوی نے یہ تجویز کی کہ بچوں کو تو بھوکا ہی سلادو اور مہمان کو کھانا کھلا دو۔ اب یہ بات ان کی طاقت میں تھی، لیکن اس وقت اگر ان کو پیسہ مہیا کرنا پڑتا تو یہ مشکل تھا اور وہ مہمان کی خدمت میں ناکام رہتے یا پھر اگر یہ ضروری ہوتا کہ مہمان کو پلاؤ ہی کھلانا ہے۔ تو اُس صحابی کو کہنا پڑتا کہ یَا رَسُوْلَ اللہ! میں نہیں لے جاسکتا، لیکن صحابہؓ کا یہی طریق تھا کہ جو موجود ہوتا لاکر پیش کردیتے۔ یہ بات ان کے بس کی تھی کہ بچوں کو سلادیں اور ان کا کھانا مہمان کو کھلادیں۔ اس پر عمل کرنے کیلئے وہ تیار ہوگئے لیکن اس کے علاوہ ایک مشکل اور تھی کہ مہمان کھانے میں ساتھ شامل ہونے پر اصرار کرے گا اور کھانا تھوڑا ہے آخر اس کا بھی حل سوچ لیا گیا۔ اس زمانہ میں وہ دیئے جلائے جاتے تھے جن میں روئی کی بتی ڈالی جاتی تھی۔ تجویز یہ ہوئی کہ جب مہمان کے ساتھ کھانے پر بیٹھیں تو میاں بیوی سے کہیں کہ روشنی تیز کردو اور بیوی تیز کرنے کے بہانے بتی کو اس طرح انگلیوں سے پکڑ کر باہر کردے کہ وہ بجھ جائے اور جب پھر جلانے کو کہا جائے تو کہہ دے کہ آگ نہیں اور اب ہمسایوں کے ہاں آگ لینے کیا جانا ہے ان کو خواہ مخواہ تکلیف ہوگی۔ اس پر مہمان خود ہی کہہ دے گا کہ نہیں رہنے دو روشنی کی کیا ضرورت ہے اور اس طرح دونوں مہمان کے ساتھ کھانے پر بیٹھ کر اندھیرے میں یونہی مچاکے مارتے جائیں گے اور مہمان کھانا کھالے گا۔ اس وقت تک پردہ کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا کہ بغیر کھانا کھانے کے ہی بڑے زور کے ساتھ مچاکے مارتے رہے۔ مہمان بے چارہ بھی حیران ہوگا کہ کھانا تو اس قدر لذیذ نہیں، معلوم نہیں کہ یہ اتنے مچاکے کیوں مارتے ہیں۔ بہرحال مہمان نے کھانا کھا لیا اور یہ سب بھوکے ہی رات سو رہے۔ صبح رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بلوایا اور پوچھا رات تم نے مہمان کے ساتھ کیا کیا؟ انہوں نے شرمندہ ہوکر عرض کیا یَا رَسُوْلَ اللہ! کیا کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ جو کچھ کیا مجھے اللہ تعالیٰ نے بتا دیا ہے اور آپ ہنس پڑے اور فرمایا کہ تمہارے فعل پر خدا تعالیٰ بھی

عرش پر ہنسا[6] اور میں بھی اس لئے ہنسا ہوں کہ خدا تعالیٰ ہنسا تھا۔ تو یہ ذاتی قربانی کا سوال تھا جو انہوں نے کر دی اگر مالی قربانی کا سوال ہوتا تو وہ کیا کر سکتے تھے۔ اگر تمام کام ذاتی قربانی کی طرز پر ہوں تو کام بہت وسیع ہو سکتا ہے اور دنیا میں فوراً امن قائم ہو سکتا لیکن ابھی اس کا وقت نہیں آیا کہ سارے کام اس طرز پر چلائے جائیں۔ اگر آج اس طرح چلایا جائے تو جماعت کے لئے یہ امر تباہی کا موجب ہوگا۔ زمانہ کے حالات ایسے ہیں کہ بعض باتوں کو مجبوراً ترک کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً اسلام کا حکم ہے کہ آگ کا عذاب نہ دیا جائے لیکن اگر آج اسے جاری کر دیا جائے تو مسلمان حکومتوں کا بندوقوں، توپوں سے کس طرح بچاؤ ہو سکے ہاں جب ساری دنیا میں اسلامی حکومت اور غلبہ ہو تو اس وقت یہی حکم ہے۔ اسی طرح اسلامی اصول یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے روپیہ کے استعمال کو کم کیا جائے، لیکن اگر آج اس پر عمل کر دیا جائے تو اس کا لازمی نتیجہ تباہی ہوگا اس لئے ہمیں درمیانی راہ اختیار کرنی پڑتی ہے، جس سے دشمن کے حملہ کو بھی بچایا جائے اور اسلامی روح کو بھی قائم رکھا جائے۔ بعض نادان یہ اعتراض کر دیتے ہیں کہ اسلام کے فلاں حکم پر عمل کیوں نہیں کیا جاتا حالانکہ حالات ایسے ہیں کہ اگر ان پر عمل کیا جائے تو اسلام کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سود لینے اور دینے والے دونوں پر لعنت کی ہے[7] اور اسلام نے اس کو حرام قرار دیا ہے لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اگر کسی شخص کو ایک جگہ سود دینا پڑتا ہو اور دوسری جگہ اس کا روپیہ کسی ایسی جگہ پر لگا ہوا ہو جہاں سے اسے سود مل سکتا ہو تو اسے چاہئے کہ لے لے اور جہاں دینا ہو وہاں دے دے۔ اب بظاہر تو یہ دو لعنتوں کا جمع ہونا ہے لیکن کافر سے لے کر کافر کو ہی دے دینے سے مسلمان نقصان سے بچ جائے گا اور اسی کو مذہبی سیاست کہتے ہیں۔ نادان ہم پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ سیاسی آدمی بن رہے ہیں حالانکہ ہماری سیاست یہ نہیں کہ جرمن یا اٹلی سے کوئی معاہدہ کرتے ہیں بلکہ ایسی ہی مذہبی سیاست ہے۔

تو سادہ زندگی کا مطالبہ نہایت اہم ہے مذہبی سیاسی لحاظ سے بھی اور اقتصادی لحاظ سے بھی اس لئے میں دوستوں کو پھر توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اس کی اہمیت پر غور کریں امیر بھی اور غریب بھی۔ آج میں نے پھر اچھی طرح اس بات کو واضح کر دیا ہے کہ دونوں کیلئے یہ مطالبہ یکساں طور پر

ضروری ہے اور دونوں کے لئے مفید ہے، اس کے بغیر نہ ہماری اقتصادی حالت درست ہوسکتی ہے اور نہ مذہبی جدوجہد وسیع ہوسکتی ہے۔ اگر میں دیکھتا کہ جماعت نے پہلا قدم پوری طرح اٹھایا ہے تو دوسرا مضبوطی کے ساتھ اٹھاتا، لیکن ابھی میں دیکھتا ہوں کہ بہت اصلاح کی ضرورت ہے اس لئے دوسرا قدم نہیں اٹھا سکتا۔ کھانے کے معاملہ میں بے شک دوستوں نے اصلاح کی ہے مگر دوسرے معاملات میں نہیں بلکہ مجھے اس کا بھی اعتراف ہے کہ ابھی تک خود ہمارے گھروں میں بھی کھانے اور لباس کو چھوڑ کر باقی امور میں اس کی پوری طرح پابندی نہیں کی جاسکی۔ اور جب تک پہلا قدم صحیح طور پر نہ اٹھا لیا جائے دوسرا نہیں اٹھایا جاسکتا اس لئے میں دوستوں کو پھر توجہ دلاتا ہوں کہ سادہ زندگی کے سب پہلوؤں پر عمل کرنے کی کوشش کریں تا ہماری اقتصادی حالت درست ہوسکے اور ہم اس قابل ہوسکیں کہ اپنے مالوں سے ہی خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرسکیں۔ جماعت اگر اس کی اہمیت کو سمجھے تو چند سالوں میں ہی اہم دینی اور دنیوی تغیر پیدا ہوسکتا ہے۔

میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اس بارہ میں ہمیں صحیح راستہ پر چلنے کی توفیق دے جماعت میں بھی اور ہمارے گھروں میں بھی۔ اس مطالبہ کی اہمیت پوری طرح سمجھ میں آجائے کیونکہ ہمارے گھروں کو نمونہ ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ جتنا اس نے ہمیں موقع دیا ہے اس کے مطابق اسلامی ماحول پیدا کرسکیں تا خدا تعالیٰ کے حضور ہم یہ کہہ سکیں کہ جتنا تو نے اختیار دیا تھا اتنا ہم نے کردیا اور باقی اس لئے نہ کرسکے کہ وہ ہمارے بس میں نہ تھا۔" (الفضل ۲ر دسمبر ۱۹۳۸ء)

۱، ۲ مسلم کتاب اللباس و الزینة باب تحریم لُبس الحریر (الخ)

۳ سوسیاں: سوسی۔ ایک قسم کا رنگین دھاری دار کپڑا

۴ بخاری کتاب بدء الوحی باب كَيْفَ كَانَ بدء الوحی اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہ صلی اللّٰہ عَلَيْهِ وَسَلَّم

۵ مسلم کتاب الاشربة باب فضیلة المؤاساة (الخ)

۶ بخاری کتاب مناقب الْاَنْصَار باب قول اللّٰہ عَزَّوَ جَلَّ وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ (الخ)

۷ بخاری کتاب الطلاق باب مَهر البَغْی (الخ)